Rev. Amos Masih

Woodbrooke Series.

THE ORIGIN OF RELIGION

BY PROF. LOOTFY LEVONIAN.

ابتدائے مذہب

مُصنّفہ

پروفیسر لُطفی لیوونیان صاحب

مترجمہ مسز ایلف - ڈی - وارث صاحبہ

بی۔ اے کوڈے - منشی فاضل

پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی

انارکلی - لاہور

The Punjab Religious Book Society,

Anarkali, Lahore.

Woodbrooke Series

THE ORIGIN OF RELIGION

ابتدائے مذہب

مذہب ایک ایسا حادثۂ طبعی ہے جو عالمگیر ہے۔ تاریخِ دُنیا میں کوئی قوم مذہب سے خالی نہیں رہی۔ دُعا و عبادت ایسے عناصر ہیں جو قدرتی طور پر انسان کی فطرت اور جبلّت کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اشیائے اکل و شرب کی مانند انسان کو دُعا کی بھی حاجت رہی ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ سے اس کو سکون و اطمینانِ قلب حاصل ہوتا ہے۔ مذہب نے اجتماعی اور انفرادی طور پر بنی نوع انسان کی زندگیوں کی اہم ضرورت کو پُورا کیا ہے۔ بے شمار دیگر مسائل کی طرح یہ مسئلہ بھی دَورِ حاضرہ میں زیرِ بحث رہا ہے اور مذہب کی ابتدا اور ضرورت سے متعلق متعدد نظریے پیش کیئے گئے ہیں۔ بعض اشخاص نے تو یہاں تک کہا ہے کہ مذہب کی اصل و ابتد محض وہم و خیال ہے۔ لہٰذا مذہب غیر ضروری اور نقصان دِہ ہے اور اس کو انفرادی و اجتماعی زندگی کے درمیان سے دُور کر دینا چاہیئے۔ چونکہ یہ ایک ایسا موضوع ہے جو ہر فرد بشر کی زندگی سے متعلق ہے۔ لہٰذا یہ نہایت غور و فکر کے قابل ہے۔ آئیے

ہم اِن نظریوں کا جو مذہب کی ابتدا۔ ماہیت و اصلیت کے بارے میں پیش کیے جاتے ہیں بنظرِ غائر ملاحظہ کریں۔

ایک نظریہ کے اعتبار سے مذہب کی ابتدا بیم و خوف بتائی جاتی ہے اور لوگ مذہب کی پیروی فقط ہول و خوف کی وجہ سے کرتے ہیں۔ زمانۂ قدیم کے باشندے قدرت کی بعض مہیب طاقتوں مثلاً طوفان۔ برق۔ آتش و زلزلہ سے نہایت دہشت زدہ تھے۔ پس انہوں نے خیال کیا کہ ضرور کوئی ایسی زبردست طاقت ہے جو قدرت سے زیادہ قوی تر ہے۔ اس وجہ سے انہوں نے اسی طاقت کو اپنا محافظ بنانے کی کوشش کی اور اس طریق سے مذہب وجود میں آیا۔ اور اس وقت سے لیکر تا ایں زماں مذہب نسلاً بعد نسلاً چلا آیا ہے حتیٰ کہ وہ انسانی زندگی کا ایک لازمی عنصر بن گیا۔ لہٰذا دہشت و خوف کو مذہب کی ابتدا قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ مذہب سے متعلق یہ نظریہ نہایت دلفریب ہے۔ تو بھی یہ قابل قبول نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ زمانۂ قدیم میں دہشت و خوف کو انسان کی زندگی میں ایک اہم درجہ حاصل تھا۔ اور اس وقت تک بھی انسان نے اس سے کلیتہً آزادی حاصل نہیں کی ہے۔ لیکن اگر مذہب کا اصل بیم و خوف ہے تو پھر انسان کے علم میں ترقی کرنے اور حادثاتِ قدرت کی فلسفیانہ تعبیروں کے سمجھنے کے بعد تو مذہب کو مفقود و معدوم ہو جانا چاہئے تھا۔ لیکن حقیقت کچھ اور ہے۔ بنی آدم نے اپنے توہمات سے رہائی حاصل کر لی ہے لیکن مذہب سے وابستہ رہے ہیں۔ اس بیان کی صداقت اس حقیقت سے عیاں ہے کہ دنیا کے علما اور فضلا کا ایک گروہِ کثیر ہے جو متدیّن اور مذہب دوست ہے۔ یہ کہنا ہرگز درست

نہیں کہ ایسے اشخاص کا مذہب محض بیم و دہشت اور وہم ہے ۔ ممکن ہے کہ مذہب دہشت اور وہم سے اثر پذیر ہؤا ہو لیکن مذہبی تجربہ کی توجیہ دہشت و خوف سے نہیں کی جا سکتی ۔

بعض اشخاص کی رائے کے مطابق مذہب کا شروع طفلانہ تصورات یا اندیشے ہیں ۔ یعنی مذہب ایک ایسا حادثۂ قدرت ہے ۔ جو انسان کے زمانۂ طفولیت سے متعلق ہے ۔ بچہ اپنے آپ کو لاچار ۔ ناتوان ۔ بیکس اور پناہ کا حاجتمند سمجھکر آغوش پدری میں پناہ گزیں ہوتا ہے ۔ اسی طرح اکثر اشخاص حوادثِ زندگی کے مقابلہ میں اپنے آپ کو بیکس و لاچار دیکھ کر اپنے لئے ایک "خدا باپ" تصوّر کرتے اور اُس کی کنار شفقت میں سلامتی اور آرام تلاش کرتے ہیں ۔ لہٰذا انسان کے دِل میں مذہبی جذبات مفہوم خدا اور مذہب سے متعلق دیگر باتیں تمام طفلانہ تصورات و خیال ہیں ۔ وہ حقیقت پر مبنی نہیں بلکہ محض فرضی اور وہمی ہیں ۔

بادی النظر میں یہ نظریہ بھی نہایت دلکش معلوم ہوتا ہے اور واقعی بعض اشخاص کے مذہبی عقاید میں طفلانہ خیالات کی آمیزش ہے بھی ۔ لیکن مذہبی تجربہ کی ابتدا طفولیت میں نہیں ۔ اگر ایسا ہوتا تو آدمی سنِ بلوغ کو پہنچ کر مذہب کی قید سے رہا ہو جاتے ۔ دیگر اس نظریہ کے مطابق دیندار اشخاص کے اخلاق کمزور ہو جانے چاہیں لیکن حقیقت اس کے خلاف ہے ۔ جوں جوں ایسے اشخاص عالمِ شباب کو پہنچتے جاتے ہیں ۔ توں توں وہ مذہب میں سے طفلانہ عناصر کو دُور کرتے ہیں ۔ اور اُن کی مذہبی زندگیاں زیادہ مستحکم و مضبوط ہوتی جاتی ہیں ۔ علاوہ ازیں فقط وہی مذہبی زندگی کے اعلےٰ مدارج تک پہنچے ہیں جو مصائب اور اہوال کا مقابلہ

کمال شجاعت اور دلیری کے ساتھ کرتے ہیں - یہ ہرگز مناسب نہیں کہ ایسے اشخاص کو جو زندگی کی زحمت و تکلیف کے باوجود برقرار رہے ہیں۔ بزدل یا طفل مزاج کہا جائے - مذہب کا آغاز طفلانہ جذبات کا نتیجہ نہیں۔

بعض اشخاص کا خیال ہے کہ مذہب کی ابتدا معاشری ہے اور کہ تمام مذہبی قوانین و رسوم فقط انسانی جماعت کے دستورات ہیں۔ ان کی رائے کے مطابق مذہب ایک معاشری حصول ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دیندار آدمی خدا کی پرستش نہیں کرتا بلکہ جماعت کی بندگی کرتا ہے اور جماعت کے قواعد و قوانین کی بمنزلہ احکام الٰہی اطاعت و تابعداری کرتا ہے لہٰذا مذہبی عقاید و فرمان فقط معاشری دستور ہیں۔ مذہب کا معیار خدا نہیں بلکہ انسان یعنی انسانی جماعت ہے۔

اُس گروہ نے جس نے یہ نظریہ پیش کیا ہے قدیم زمانہ کے باشندوں کی رسوم اور ان کے دستورات کا ملاحظہ کیا ہے اور اس کا دعویٰ ہے۔ کہ یہ تمام رسوم اور دستور معاشری ہیں اور ان کے تمام مذہبی اوامر و نواہی اُن کے خود ساختہ ہیں۔ مرور زمانہ کے ساتھ یہ رسوم و دستور کسی نہ کسی طریق سے مہذب دُنیا میں داخل ہو گئے اور اس طور سے مذہب برقرار رہا ہے۔ مذہب میں کوئی ایسی بات نہیں جو معاشری نہ ہو مذہب کا مطلب جماعت ہے۔

دَورِ حاضرہ میں یہ نظریہ نہایت جاذب توجہ رہا ہے۔ اور اُس نے بیشمار لوگوں کے دِلوں میں مذہب کی صحت کے متعلق شکوک پیدا کر دئے ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ متعدد مذہبی رسوم و دستورات کا آغاز معاشری ہے اکثر قدیم رسوم کو معاشری دستور کہا جا سکتا ہے۔ اور

مہذّب اقوام کے مذاہب میں ان کا معائنہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ تمام مذہبی تجربہ کا منبع نہیں ہو سکتا۔ ان قدیم اقوام میں بھی ایک ایسی اعلیٰ طاقت کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے جو قومی اثر سے بلند تر ہے۔ اُن عقائد کی پُشت پر ایک پوشیدہ عنصر ہے جس کی تشریح فقط اُس کے ماحول کے ذریعہ سے نہیں کی جا سکتی۔ مذہب میں ایک شخصی اور انفرادی عنصر ہے۔ بعض اوقات ایسا ہُوا ہے کہ ایک قوم میں ایک فرد اُٹھ کھڑا ہُوا۔ جس نے ان تمام مذہبی رسوم اور عقاید کو جو صدیوں سے رائج تھے تہ و بالا کر دیا اور لوگوں کے مذہبی اعتقادوں میں انقلاب پیدا کر دیا۔ اگر مذہب در اصل کسی خاص قوم یا جماعت کی ملکیت ہوتا تو اس قسم کی تحریکیں ناممکن ہوتیں۔ مذہب کا شخصی اور انفرادی عنصر معاشری عنصر سے کسی صورت میں کمتر نہیں۔ مذہب میں ایک ظاہری یا بیرونی عنصر ہوتا ہے۔ لیکن اُس میں ایک باطنی یا اندرونی عنصر بھی موجود ہے۔ جو اس کی ابتدا کا ذمہ وار ہے۔ مذہب درحقیقت نخل معاشرت کا ثمر نہیں ہے اس کا ظاہر معاشری ہے لیکن اس کا اصل و جوہر شخصی و اندرونی ہے۔

ان تمام نظریوں کی غلطی یا سہو اس حقیقت میں ہے کہ اُن کے معتقد یہ خیال کرتے ہیں کہ مذہب در اصل بذاتِ خود کامل ہے۔ اور وہ اُس کی ترقی کو نظر انداز کرتے ہیں۔ مذہب ایک اندرونی حِسّ ہے۔ موسیقی کی حِسّ کی مانند کسی شخص کی زندگی میں اُس کی ابتدا بھی نہایت سادگی کے ساتھ ہوتی ہے۔ لیکن روز بروز مصفا اور منزہ ہوتی جاتی ہے حتّٰی کہ وہ اپنی اعلیٰ ترین و عمدہ ترین صُورت کو حاصل کر لیتی ہے۔ یہ کہنا درست اور واجب نہیں کہ چونکہ قدیم اقوام کا علم موسیقی ناقص

وخام تھا۔ لہذا یہ علم کچھ قدر و قیمت نہیں رکھتا۔ اسی طرح ہم قدیم عقاید کے خام عناصر کی وجہ سے مذہب پر فتویٰ نہیں لگا سکتے، اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ تمام مذہبی جذبات اور تصورات نامعقول ہیں قدیم مذہبی تجربے میں اُن خام عناصر کے دوش بدوش ایک اساسی حقیقت ہے۔ اگر ہم مذہب کی ترقی کی مختصراً نظرثانی کریں تو یہ نکتہ واضح طور پر ظاہر ہو جائیگا۔

ابتدائے عالم سے ابنائے روزگار قدرتی نشانات۔ فلک نیلگوں کی وسعت اور کوہساروں کی عظمت و بزرگی کو دیکھکر ورطۂ حیرت میں پڑتے رہے ہیں اور یہ محسوس کرتے رہے ہیں کہ ان سب میں کوئی پوشیدہ طاقت ضرور ہوگی۔ اور حالانکہ وہ اس طاقت سے ناواقف تھے تو وہ بھی رسمیات کی ادائیگی کے ذریعہ سے اس کی پرستش کرتے رہے ہیں۔ کچھ عرصہ بعد انہوں نے اس طاقت کو ایک مادی صورت دی۔ اور بعض اشیا کی جن کو وہ پاک سمجھتے تھے عبادت کی۔ مثلاً وہ پہاڑوں۔ پتھروں۔ درختوں۔ جانوروں۔ آفتاب اور ستاروں اور سیاروں کو پاک خیال کرتے اور اُن کی بندگی کرتے تھے۔ ہمارے موجودہ علم کے مطابق ایسے عقاید محض توہمات ہیں جو زمانہ جاہلیت سے متعلق تھے۔ بنی آدم خدا کی تلاش کرتے رہے ہیں اور اپنی طبیعت اور اپنے فہم کے مطابق پہاڑوں اور پتھروں میں اس کی جستجو کرتے رہے ہیں۔ خدا کی اس تلاش کے ذوق وشوق نے انسان کو ایک قدم اور آگے بڑھا دیا اور وہ مادی اشیا کو ترک کر کے راستی وحق۔ حُسن وجمال اور نیکی کے عالم رُوحانیت میں اُس کے جویاں ہو گئے۔ اگر آپ افلاطون کے جو ایک زبردست

فلسفی تھا کارناموں کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ نیکی حُسن وحق انسان کے معبُود بن گئے۔ مذہبی تاریخ میں یہ مقام بڑی ترقی کا مقام ہے۔ لیکن انسان یہاں ساکن نہ رہا۔ اس نے آگے قدم بڑھانا چاہا۔ نیکی حُسن اور حق کے تصوّرات تو عمدہ ہیں۔ لیکن آخر یہ ایسی باتیں ہیں جو ذہنی ہیں اور انسان کے دِل کو تسکین نہیں بخشتیں۔ انسان میں شخصیت ہے اور شخصیت ہی وہ ہے جو ان تصوّرات کو قدر و منزلت دیتی ہے انسان کی بہترین ملکیت یہ تصوّرات نہیں بلکہ اس کی شخصیت ہے۔ لہٰذا ایک قدم اور آگے بڑھ کر انسان خدا کو ایک خودی کا اہل تسلیم کرنے لگا۔ بعد ازاں بنی نوع انسان خدا کو ایک پوشیدہ طاقت یا کوئی جسمانی شے مثلاً پہاڑ یا پتھر یا کوئی ذہنی تصوّر نہیں سمجھتے رہے۔ بلکہ ایک ہستی جو ایک خودی کی مالک ہے اور جو انسانوں سے واسطہ و تعلق رکھتی ہے اس طریق سے مذہب اپنے اعلےٰ ترین مفہوم میں ایک رشتہ یعنی خدا اور انسان کے درمیان دوستی کا تعلق بن گیا اس مقام پر انسان کو مِلی اطمینان اور تسلی حاصل ہو گئی اور بیم و خوف مفقود ہو گئے۔

پس یہ درست نہیں کہ محض مذہب کی قدیمی صورت کا خیال کرتے ہوئے اس کو بے معنی۔ طفلانہ یا دہشت و خوف کا نتیجہ سمجھا جائے۔ یہ مناسب نہیں کہ ایک سیاہ رنگ کے بیج کو صرف اس وجہ سے پھینک دیا جائے کہ وہ بظاہر کچھ قدر و قیمت نہیں رکھتا۔ بیج کا فیصلہ اُن گلہائے خوش رنگ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کرنا چاہیئے جو وقت کے گذرنے پر اُس سے پیدا ہونگے۔ مذہب کا بھی یہی حال ہے۔ یہ ضرور نہیں کہ کوئی شے لازماً معمولی یا بے معنی ہو۔ کیونکہ اُس کی ابتدا معمولی طور پر ہوئی ہو۔ اِس کو صحیح طریق

پر سمجھنے کے لئے اس کی ترقی یافتہ یا کامل صورت پر غور کرنا چاہیئے۔ مذہبی تجربہ کے آغاز میں بے شمار ایسی اشیا ہوتی ہیں جو نہایت سادہ یا معمولی ہوتی ہیں لیکن اس کا خاصہ یہ ہے کہ ترقی کرے اور انسانی زندگی کو رونق بخشے اور آراستہ کرے جو نظریے مذہب کے خلاف ہیں ان کی غلطی یا خطا اسی میں ہے کہ وہ مذہب پر فتویٰ لگاتے وقت اس نکتہ کو نظر انداز کرتے ہیں۔

لیکن کیا مذہب انسانی زندگی کے لئے کوئی لازمی یا قدرتی چیز ہے؟ انسان کا اپنا ذاتی تجربہ اس امر کی زبردست ترین شہادت دیتا ہے کہ مذہب اس کے لئے نہایت اہم اور طبعی ہے۔ خدا کے عرفان اور اس کی قربت سے انسان کو ایک باطنی خوشی اور تسکین حاصل ہوتی ہے انسان کی زندگی اس کے ذریعہ سے قدرت کے مطابق ترقی کرتی اور زیادہ مستحکم واستوار اور خوبصورت ہو جاتی ہے۔ مذہب دوست شخص دلی اطمینان اور سلامتی کا مالک بن جاتا ہے۔ وہ مشکلات زندگی کے درمیان مطمئن وصابر ہو کر تمام حالات میں صبر و تحمل سے کام لیتا ہے۔ زندگی مشکلات سے پُر ہے اور ہم کو تسلی و تسکین کی ازحد ضرورت ہے۔ ہر چند ہماری تمام آرزوئیں اور تمنائیں پوری ہو جائیں۔ یہاں تک کہ سلیمان کی سی شان و شوکت بلکہ اس کی مانند اقتدار اور اختیار کو بھی حاصل کریں تو بھی آخر کار ہم موت سے گریز نہیں کر سکتے۔ زندگی میں فتح و غلبہ کسی تارک الدنیا کی طرح دُنیا کو ترک کر دینے سے دستیاب نہیں ہوتا بلکہ وہ اطمینان اور صبر سے تمام مشکلات کا مقابلہ کرنے سے ملتا ہے۔ مذہب ہم کو اس کے لئے زور اور طاقت بخشتا ہے۔ اور وہ ہماری رُوحوں کو مضبوط بنا

کر ان کی حفاظت کرتا ہے۔ وہ ہمارے لئے کوئی ایسی جائے پناہ نہیں بنا دیتا جہاں ہم ان آلام و مصائب سے نجات حاصل کر سکتے ہیں بلکہ وہ ہم کو ایسی طاقت و قوت عطا فرماتا ہے جس کے باعث ہم زندگی کی کشمکش کے درمیان دلی و دماغی اطمینان پانے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

جو شخص خدا پر ایمان رکھتا ہے وہ زندگی کے خلاف شکوہ و شکایت نہیں کرتا۔ وہ قانع بن جاتا اور دوسروں کے ساتھ محبت سے پیش آتا ہے۔ وہ خدا اور اپنے ہم جنسوں سے محبت رکھتا ہے علی الصباح وہ محبت کے جذبات کو دل میں لئے ہوئے اپنے روزانہ کاروبار کے لئے گھر سے نکلتا ہے اور اطمینان قلبی کے ساتھ شام کے وقت اپنے گھر واپس آتا ہے۔ یہ بات انسان کو علم۔ دولت اور مرتبہ سے نہیں بلکہ خدا پر ایمان رکھنے سے حاصل ہوتی ہے۔ مذہب کے معنی محبت ہے اور انسانی زندگی کو محبت کی ازبس ضرورت ہے۔ محبت کے بغیر انسان نامکمل اور ناقص رہتا ہے۔ محبت میں ہی زندگی پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہے۔ زندگی کی بزرگترین چیز محبت ہے۔

ہم اُوپر بیان کر چکے ہیں کہ مذہب خدا اور انسان سے محبت رکھنا ہے۔ مذہب انسان کے تصوّر کا مخلوق نہیں بلکہ وہ لازمی اور طبعی ہے اور اس کا مصدر خدا ہے۔ خدا نے انسان کو اس طرح خلق کیا ہے کہ انسان کے اندر خدا کے لئے ذوق و شوق ہے۔ یعنی انسان خدا کے لئے ترستا ہے اور خدا کے ساتھ قریبی دوستی قائم کرنے کا آرزومند ہے کسی سے محبت رکھنا اُس کا قدرتی خاصہ ہے اور وہ خود بھی محبت کا

خواہشمند ہے۔ خدا انسان کا بزرگترین اور بہترین دوست ہے۔ اُس نے انسان کو اپنی صُورت پر پیدا کیا ہے۔ خدا محبت ہے اور انسان میں اُسی الہٰی آتش محبّت کا شرارہ موجود ہے۔ مذہب محبت کے انہیں دو پہلوؤں کے باہمی اتحاد کا نتیجہ ہے۔ خدا انسان سے محبت رکھتا ہے اور انسان خدا سے اور مذہب خدا اور انسان کے درمیان واسطۂ دوستی ہے۔ اس دوستی کو قبضہ میں رکھنے سے زندگی خوبصورت اور مضبوط ہو جاتی ہے۔ اور اس کی عدم موجودگی کی وجہ سے زندگی المناک اور تہ و بالا ہو جاتی ہے۔

وہ خدمت جو مذہب نے نسل انسانی کی ترقی کے لئے انجام دی ہے۔ اس بات کا مزید ثبوت ہے کہ مذہب انسان کے لئے ایک امر طبعی ہے۔ بعض ایسے اشخاص بھی ہیں جو مذہب کی مبادی اصولی باتوں کو اور اُن نادرست کارروائیوں کو دیکھ کر جو مذہب کے نام سے کی گئی ہیں مذہب کو ترقی کا دشمن قرار دیتے ہیں وہ کسی قدر راستی پر ہیں بھی لیکن یہ باتیں دراصل مذہب میں داخل نہیں بلکہ فقط مذہب کے غلط مفہوم کا نتیجہ ہیں۔ تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مذہب مختلف طریق پر انسانی ترقی کا ذریعہ ہُوا ہے۔ مثلاً فنون لطیفہ کا ملاحظہ کیجیے۔ علم تعمیر کے کمالات۔ علم موسیقی کے دلسوز راگ۔ اور رفیل اور مائیکل اینجیلو جیسے مشہور و معروف مصوّروں کی اعلےٰ تصویریں اور مجسّمے۔ دُنیا کے علم ادب کے بہترین کارنامے اور دلفریب نظمیں ان تمام نے گویا مذہب ہی سے زندگی اور طاقت و تقویت حاصل کی ہے۔ مذہب تا ابد زندہ رہنے والی تصنیفوں کی تخلیق میں ایک زبردست عنصر رہا

ہے۔ ہندوستان کا تاج محل ہسپانیہ (اندلس) کا الحمرا۔ اتھنی کا پارتھینن۔ استانبول کا سینٹ صوفیہ اور اسی قسم کی بے شمار دیگر عمارتیں سب مذہبی مقاصد کا نتیجہ ہیں۔

مزید براں مذہب نے نسل انسانی کی اخلاقی اور اجتماعی ترقی میں بھی بڑا حصہ لیا ہے۔ غلامی ایسے بدترین سلسلہ کو دور کرنے شفاخانوں اور یتیم خانوں کے تعمیر کرنے۔ تعلیم نسواں و طفلان کو ترجیح دینے اور مزدوروں کے حالات کی اصلاح کے لئے قواعد و قوانین بنانے۔ مفلسوں اور ناداروں کی پرورش کے سامان مہیا کرنے۔ جنگ کے انسداد اور صلح و سلامتی کے قائم کرنے اور معاشری ترقی کے لئے دیگر انتظامات کرنے میں مذہب نے انسانی طبیعت پر بڑا اثر کیا ہے۔ وحدت خدا کے عقیدہ کو قبول کرنے اور بنی نوع انسان کا خدا کے فرزند ہونے کی تلقین کرنے سے مذہب نے پاکیزہ زندگی کو واضح کر کے اُس کی قدر و قیمت کو بڑھا دیا ہے چونکہ زندگی خدا کی طرف سے ہے لہٰذا وہ بیش بہا ہے۔ انسان تو ایک معمولی سا پرندہ بھی خلق نہیں کر سکتا۔ تو انسان کی زندگی تو اس سے کہیں زیادہ قیمتی و پاک ہے۔ لہٰذا اس کی بے قدری نہیں کرنا چاہئے بلکہ اس کو بیش قیمت سمجھنا چاہئے۔ اسی جذبہ و احساس کا نتیجہ ہے کہ آج بچوں کی قربانی منسوخ کی جا چکی ہے۔ اور مستورات کی تحقیر نہیں ہوتی نہ ہی وہ مردوں کی غلام تصور کی جاتیں ہیں اور خاندانی زندگی ایک جدید معنی رکھتی ہے۔ غالباً یہ اجتماعی ترقی اور بہت سی باتوں سے اثر پذیر ہوئی ہے۔ لیکن تو بھی خالص مذہبی جذبات کا بھی اس پر بہت بڑا اثر ہوا ہے۔ علاوہ ازیں مذہب نے لوگوں

کو بیدار کر دیا ہے کہ وہ ان چیزوں کی بدی اور بے انصافی کا معائنہ کر سکیں۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

ہم یسوع مسیح کی زندگی میں مذہب کی اس طاقت و قوت اور اس کے طبعی ہونے کا خوب واضح طور پر مشاہدہ کرتے ہیں۔ زندگی سے متعلق یسوع کے انداز لوگوں کے ساتھ اس کے سلوک اور اس کی شخصیت میں یہ بخوبی نظر آتا ہے۔ یسوع مسیح آزمائش کے مقابلہ میں مستحکم۔ مشکلات کے وقت صابر اور ظلم و ستم کے وقت نہایت تحمل و برداشت کے ساتھ کھڑا رہتا تھا۔ اس نے سخت مصیبت کے وقت بے صبری سے کام نہ لیا۔ جب کبھی اُس کی بے عزتی و توہین کی گئی تو اُس کی زبان سے ایک بھی فحش لفظ نہ نکلا۔ اُس کو یہ بھی معلوم تھا کہ کس طرح مصائب کو بھلائی کے لئے استعمال کرے۔ اس کی خدمت کے آغاز میں ایک مرتبہ شیطان اُسے نظر آیا اور اُس نے ہر طرح سے کوشش کی کہ وہ اپنے حیلوں اور چالاکیوں سے یسوع مسیح کو اپنا پیرو بنالے۔ یسوع مسیح بھوکا تھا اور اس جگہ جہاں وہ تھا روٹی نہ تھی۔ شیطان نے آکر اُس سے کہا اگر تُو خدا کا بیٹا ہے تو حکم کر کہ یہ پتھر روٹی بن جائیں"۔ یسوع نے جواب دیا اور کہا "انسان صرف روٹی ہی سے زندہ نہیں رہتا"۔ شیطان پھر اُسے نظر آیا اور وہ اُس کو یروشلیم کی ہیکل کے کنگرے پر لے گیا اور کہا "اگر تُو خدا کا بیٹا ہے تو اپنے تئیں یہاں سے گرا دے۔ وہ اپنے فرشتوں کو حکم کریگا اور وہ تجھے اپنے ہاتھوں پر اُٹھا لینگے"۔ یسوع نے جواب دیا اور کہا "تُو خداوند اپنے خدا کو مت آزما"۔ تیسری مرتبہ پھر شیطان اُس کے پاس آیا۔ اور یسوع کو ایک اونچے

پہاڑ پر لے گیا اور دُنیا کی تمام شان وشوکت دکھا کر کہنے لگا "اگر تو
گر کر مجھے سجدہ کرے تو مَیں یہ سب کچھ تجھے دے دونگا"۔ یسوؔع مسیح
نے اندرونی استقلال کے ساتھ جواب دیا اور کہا "اے شیطان دُور ہو۔
تو صرف خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور فقط اسی اکیلے کی بندگی کر"۔
روٹی۔ شہرت اور دولت کی ان تینوں آزمائشوں میں یسوؔع راہ راست
پر برقرار رہا اور شیطان سے مغلوب نہ ہوُا۔ یہی آزمائشیں آج بھی دُنیا
میں سب سے شدید ترین آزمائشیں ہیں۔ یعنی روٹی۔ نام پیدا کرنے اور
مال و دولت کو حاصل کرنے کی آزمائشیں۔ بنی نوع انسان گویا ان کے غلام
بن گئے ہیں۔ خداوند یسوؔع مسیح ان ہر سہ پر اس لئے غالب آیا کہ وہ خدا
پر کامل ایمان رکھتا تھا۔ یہ کہنا ہرگز صحیح نہیں کہ خداوند یسوؔع کی مذہبی
زندگی فقط خیالی ہے بلکہ وہ راست زندگی بسر کرنے کی طاقت و قوت ہے

اس زمانہ میں لوگ بدرُوحوں کے خوف سے دہشت زدہ رہتے
تھے۔ ہر ایک کو بدرُوحوں کی موجودگی کا یقین تھا۔ اگر کوئی بیمار ہوتا تو
وہ کہتے کہ اس کے اندر بدرُوح ہے۔ بالخصوص وہ ایسے اشخاص کے
نزدیک جن کے دماغ میں فتور تھا نہیں جاتے تھے کیونکہ ان کو یہ یقین
کلی تھا کہ ان کے اندر ضرور کوئی بدرُوح ہوگی وہ تعویذوں کا استعمال
کرتے تھے تاکہ بدرُوحوں سے بچ جائیں۔ تمام اہل یہود کا یہی اعتقاد تھا
لہٰذا وہ اُن سے ہر وقت خوفزدہ رہتے تھے۔ لیکن برعکس اس کے یسوؔع
مسیح ایسے توہمات کی طرف کچھ توجہ نہ دیتا تھا اور نہ ہی اُن سے ڈرتا تھا۔
بلکہ وہ دیوانوں اور مخبوط الحواس اشخاص کے قریب جاتا۔ اُن سے گفتگو
کرتا اور اُن کو شفا بخشتا تھا۔ کیا یہ مناسب ہے کہ ایسے شخص کی زندگی کو

دیکھ کر اس کو بزدل کہا جائے؟ یسوع مسیح کا دل ہر قسم کے بیم و خوف سے خالی تھا۔ اس کے لئے دن اور رات۔ تاریکی اور روشنی سب یکساں تھے۔ وہ شخص جو ہر وقت خدا کی رفاقت میں رہتا اور خدا کے ساتھ چلتا ہے۔ ہرگز خوفزدہ نہیں ہوتا۔

ہم دوسروں کے ساتھ خداوند یسوع کے سلوک میں اس خوبصورتی اور برجستگی نہ ہمواری کا معائنہ کرتے ہیں۔ مثلاً مستورات اور بچوں کی جانب اس کے انداز پر غور کیجیئے۔ اُن دنوں میں یہودی مستورات کی تحقیر کرتے اور بچوں کو ہیچ سمجھتے تھے۔ معلموں کا مستورات اور بچوں کے ساتھ واسطہ و تعلق رکھنا معیوب خیال کیا جاتا تھا۔ لیکن خداوند یسوع ایسے خیالات کی کچھ پروا نہ کرتا تھا۔ وہ مستورات کو مردوں کا ہم پایہ اور بچوں کو بالغوں کا ہم قدر سمجھتا تھا کیونکہ وہ اُن کو مردوں کی مانند خدا کے فرزند تصوّر کرتا تھا۔ افلاطون جو تمام فلسفیوں کا گویا باپ یا بزرگ تسلیم کیا جاتا ہے باوجود اپنی تمام حکمت و سلیم رائے کے مستورات اور بچوں کے مردوں سے ادنیٰ تر ہونے کی تعلیم و تلقین کرتا ہے۔ ارسطو کو جس نے اخلاق کی بنا قائم کی ہے اس میں مطلق اعتراض نہ تھا کہ کوئی اپنی ہمسایہ قوم پر حملہ آور ہو کر اس کے کم سن بچوں اور مستورات کو اسیر کر کے لے جائے۔ اور جنگلی درندوں کا وحشیانہ تماشہ رومۂ قدیم کے فصیح کلام مقرر سیسرو کو نہایت مرغوب خاطر تھا۔ رومی بیچارے بیگناہ غلاموں کو گرفتار کر لیتے تھے۔ اور جنگلی درندوں کو چند روز تک بھوکا رکھ کر اُن غریب غلاموں کو ان کے سامنے چھوڑ دیتے تھے اور جب درندے ان کو پھاڑتے اور پارہ پارہ کرتے تھے تو وہ نہایت محظوظ ہوتے تھے۔ سیسرو

باوجود اپنی عقل و دانشمندی کے اس میں کچھ قباحت نہ دیکھتا تھا۔ بلکہ اس کے برعکس اس کو جائز اور واجب تفریح طبع خیال کرتا تھا۔ یسوع مسیح کا ہرگز کبھی ایسا بیہودہ انداز نہ تھا۔ وہ مستورات کی تعظیم کرتا تھا۔ جب وہ بچوں کو دیکھتا تو اُن کو اپنی گود میں لیتا اور اور اُن کو برکت دیتا تھا۔ اُس کی نظر میں ادنےٰ سے ادنےٰ انسان بھی اعلےٰ ترین انسان کی مانند قیمتی تھا کیونکہ سب خدا کے فرزند تھے۔ مسیح کے اس انداز کو طفلانہ کہنا اور اس کو بزدلی سے تعبیر کرنا جائز اور درست نہیں۔

اب ذرا یہودی شریعت کی جانب یسوع کے انداز و رویہ پر غور کیجئے۔ اہلِ یہود کے درمیان ایسی احادیث اور قوانین رائج تھے۔ جن کو وہ پاک تسلیم کرتے تھے۔ اور ہر ایک یہودی پر فرض تھا کہ لفظی طور پر اُن کے مطابق عمل کرے۔ یہ قوانین یا شریعت موسیٰ کے صحیفوں میں مندرج تھی اور اُن میں کسی قسم کی ترمیم یا تبدیلی کرنا ممکن نہ تھا۔ بعض یہودی معلم تو یہاں تک اُس شریعت کے معتقد تھے کہ وہ اس کو خدا کے برابر خیال کرتے تھے بلکہ یہ کہتے تھے کہ اس کا ایک حرف بھی تبدیل کرنا گناہِ کبیرہ ہے۔ یسوع نے اس شریعت کے جدید معانی بیان کئے۔ اُس کی نئی نئی تشریحیں پیش کیں۔ بلکہ اُس کی نکتہ چینی بھی کی اور یہ بات اہلِ یہود کے خواب و خیال میں بھی نہ آئی تھی۔ اگر یسوع کے مذہبی عقاید فقط اس جماعت تک ہی محدود رہتے جس میں وہ بود و باش کرتا تھا تو وہ ہرگز اُن کی نکتہ چینی نہ کرتا۔ لیکن اُس نے ایک نئی راہ دکھائی۔ نئی تشریحیں پیش کیں

اور وہ اُن کو محفوظ اور قائم رکھنے کے لئے اپنی جان تک بھی نثار کر دینے کو تیار تھا۔ یہ غیر ممکن ہے کہ یسوع کے عقاید کو جماعت کے عقائد کہا جائے۔ اُن کا آغاز نہ تو موسوی اور نہ یہودی جماعت کے عقائد سے ہوُا بلکہ اُن کا مصدر خود خدا تھا۔

انسانی جماعت پر خداوند یسوعؔ کے اثر میں بھی یہ بات ظاہر ہوتی ہے۔ آئرلینڈ کا مشہور مؤرخ لیکی اپنی فصیح اور مستند تصنیف یعنی اہلِ یورپ کے اخلاق کی تاریخ میں یُوں رقمطراز ہے کہ جو کچھ یسوع مسیح کی سہ سالہ خدمت نے نسل انسانی کی از سرِ نو پیدائش کے لئے کیا ہے وہ تمام فلسفی رسالوں اور واعظین کے پندو نصائح کی نسبت بدرجہا زیادہ ہے۔ اور یسوع کے اِس اثر کا راز اپنی شخصی زندگی میں خدا کے ساتھ رفاقت و شراکت کو جاری رکھنے میں مخفی ہے۔

مذہب انسان کے لئے طبعی واساسی ہے۔ وہ کوئی ایسا خیال نہیں جو بعد میں انسان کے ذہن میں داخل ہو گیا ہو بلکہ وہ انسان کے ساتھ ہی پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا انسان کی حقیقی ترقی کے لئے مذہبی زندگی ازبس ضرور ہے۔ انسان جسم رکھتا ہے اور لازم ہے کہ وہ اپنی جسمانی احتیاج کو پُورا کرے۔ وہ شخص جو اس امر میں بےاعتنائی کرتا ہے نقصان اُٹھاتا ہے۔ انسان دماغ و ذہن کا بھی مالک ہے۔ اور ضرور ہے کہ وہ تعلیم اور اپنے قوائے ذہنی کے استعمال کے ذریعہ سے اُس کو ترقی دے۔ جب انسان اپنی دماغی زندگی کے متعلق بے پروا ہو جاتا ہے۔ تو تکلیف اور مصیبت برداشت کرتا ہے۔ اِسی طرح انسان رُوح بھی رکھتا ہے۔ اور اس رُوح کی بھی ضروریات ہیں۔

ہماری رُوح نیکی۔ خُوبصورتی اور محبّت وراستی کی نہایت مشتاق ہے۔ وہ اُن کی تلاش کر کے خدا کی تلاش کرتی ہے۔ جو اُن کا منبع اور سرچشمہ ہے۔ جس طرح جسم کے لیئے پانی۔ ہوا اور خوراک سے غافل ہونا مضر ہے۔ اسی طرح رُوح کے لئے نیکی۔ خوبصورتی اور صداقت سے بے پروا ہونا نقصان دِہ ہے۔ ہماری زندگی کی اصل بنیاد روحانی ہے۔ وہ شخص جو رُوح کے اعتبار سے مُردہ ہے۔ درحقیقت زندگی کی رُو سے بھی مُردہ ہے۔ جس وقت ہم خدا سے غافل ہو جاتے ہیں۔ اس وقت ہماری زندگی کمزور ہو جاتی اور رفتہ رفتہ بالکل زائل ہو جاتی ہے۔ ہماری بزرگترین ضرورت خدا ہے۔ چاہیئے کہ ہم اس کی تلاش کریں اور اس کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ ہم کو اپنی زندگیوں میں سے خدا کو دُور کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ یہ کہ خدا سے متعلق اپنے خیالات کو پاک و صاف کریں۔ آج ہم کو مذہب کو اپنی زندگیوں سے خارج نہیں کرنا چاہیئے بلکہ مذہب سے متعلق اپنے عقائد کو منزہ و مصفا کرنا چاہیئے۔ خدا محبّت ہے اور مذہب خدا کی محبّت میں زندگی گذارنا ہے۔ چاہیئے کہ ہماری مذہبی زندگی فقط خدا اور انسان سے محبت رکھنا ہو۔ اس خیال سے مذہب نہ تو بزدلی ہے اور نہ ہی وہ طفلانہ اور غیر معقول یا فضول ہے۔ وہ درحقیقت مردانگی اور شجاعت کا بہترین نمونہ ہے وہ اصل مبارک حالی ہے؟

تصانیف پروفیسر لُطفی لیوونیان

خدا کون ہے ؟	۶ پائی
مذہب اور صُلح و امن -	۶ پائی
خود داری -	۶ پائی
مذہب اور اخلاق -	۶ پائی
مذہب میں عقل کا درجہ -	۶ پائی
مذہب کیا ہے ؟	۶ پائی
مذہب میں اختیار و اقتدار کا درجہ -	۶ پائی
مذہب و سائنس -	۶ پائی
خدا پر ایمان رکھنا کیا ہے ؟	۶ پائی
مذہب میں منبع قدرت -	۶ پائی
مذہب اور معاشری مسایل -	۶ پائی
گُناہ کیا ہے ؟	۶ پائی
مذہب اور دُعا -	۶ پائی

پی - آر - بی - ایس پریس لاہور میں باہتمام مسٹر ایف - ڈی - وارث سیکرٹری
پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی انارکلی لاہور پرنٹر و پبلشر چھپ کر شائع ہوا -